ہے کہ یہ احوال اعمالِ صالحہ کا ثمرہ ہیں اور اس بات کو اصل نجات میں دخل نہیں۔ اعمالِ صالحہ بھی عذاب سے رہائی اور جنت کے درجات کی ترقی کا باعث ہیں اور توحیدِ وجودی کا حق کمال اتباع کے بغیر میسر نہیں ہوسکتا جیسا کہ بزرگانِ دین کی کتب میں مصرح ہے۔ یہ افراط و تفریط صرف اس مسئلہ وحدۃ الوجود کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام عقائدِ دینیہ، اعمالِ شرعیہ، اخلاقِ محمودہ تین درجے رکھتے ہیں۔ افراط، تفریط توسط۔ اور بحکم "خیر الامور اوساطھا" کہ بہتر کام اوسط درجہ کے ہوتے ہیں۔ توسط (اعتدال و میانہ روی) ہر معاملہ میں پسندیدہ ہے خواہ اعتقاد ہو، عمل ہو یا اخلاق اور افراط و تفریط مذموم ہے۔

امام بیضاویؒ نے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ کی تفسیر میں فرمایا ہے "یامر بالعدل بالتوسط فی الامور اعتقاداً کالتوحید المتوسط بین التعطیل والتشریک والقول بالکسب المتوسط بین الجبر والقدر۔ وعملاً کالتقید باداء الواجبات والمندوبات المأثورۃ المتوسط بین البطالۃ والترھب۔ وخلقاً کالجود المتوسط بین البخل والتبذیر" (یعنی اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل یعنی توسط اور میانہ روی اختیار کرنے کا تمام امور میں۔ مثلاً اعتقاد ہے تو اس میں توحید کو اختیار کرنا جو متوسط ہے تعطیل (یعنی خدا کو معطل خیال کرنے) اور شرک کے درمیان، اور بندہ کے لئے کسب کا قول کرنا کہ بندہ کاسب ہے اور خدا خالق ہے یہ متوسط ہے جبر اور قدر کے درمیان۔ اور عمل میں جیسا کہ واجبات اور مندوبات کی پابندی یہ متوسط ہے بالکل بے کار محض رہنے اور غایت درجہ کے زہد میں۔ اور اخلاق میں مثلاً سخاوت متوسط ہے بخل اور فضول خرچی کے درمیان)۔

جب افراط و تفریط کی راہ طے کرنا تمام اصول و فروع میں نامناسب ہے تو اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں جو معارف کی اصل ہے اور مطالب میں ادق ہے اس میں افراط و تفریط اختیار کرنا تو بہت زیادہ ہی نامناسب ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو غارت کرے جنہوں نے اہل اللہ کے کلام کو غیر محل پر محمول کیا اور غیر محل میں اتارا۔ الحاد و زندقہ

اختیار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو کر اور بے گانگی اختیار کرتے ہوئے۔ محض شیطانی مزخرفات کا اتباع کیا اور سرکشوں کی تعمیل کی"

(دمغ الباطل مخطوطہ صفحہ ۴۵، ۴۶)

حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کی تحقیق

وحدۃ الوجود کی صوفیہ کرام کی اصطلاح میں عام طور پر یہ تعبیر کی جاتی ہے کہ تمام موجودات کو ایک وجودِ حق خیال کرنا اور ماسوا کے وجود کو محض از قسم اعتبارات سمجھنا، مثلاً، موج، حباب، گرداب، قطرہ، ژالہ وغیرہ سب کو ایک ہی پانی سمجھتے ہیں، لیکن یہ تعبیر تو بہت ہی سادہ ہے اس سے یقیناً اس مسئلہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اصل بات یہ ہے جیسا کہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی فرماتے ہیں:

جو چیز حواس خمسہ ظاہرہ (باصرہ۔ سامعہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ) اور حواس باطنہ (حس مشترک۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ متصرفہ) کی مدد سے مدرک ہوتی ہے وہ اگر واقع کے مطابق ہے تو یہ حق ہے اور اگر وہ واقع کے مطابق نہیں تو وہ باطل ہے اور یہ بات قائلین وحدۃ الوجود کے نزدیک محقق اور ثابت ہے کہ حق جس طرح اللہ تعالیٰ کے بعض مظاہر سے ہے اسی طرح باطل بھی اس کے بعض مظاہر سے ہے۔ حضرت شیخ اوحد الدین مغربیؒ جو کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے شیخ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ؎

لا تنکر الباطل فی طورہ فانہ بعض ظہوراتہ

باطل کو اور برا مت سمجھو اس کے طور میں یعنی عیب کی طرف مت منسوب کرو کیونکہ وہ بھی اس کے ظہور کا کرشمہ ہے اس لئے کہ وجود ہر شئے کا اس کے وجود کا پرتو ہے اس لئے اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا حق ادا کرو، تاکہ تم بھی مرتبہ کمال تک پہنچ سکو۔ اور وہ مرتبہ وحدۃ الوجود ہے یعنی ہر چیز کے وجود میں وجودِ حق دکھائی دے (لیکن مبتدی شخص کو اس میں مشغول نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اپنے لازمی اور ضروری معاملات سے رہ جائے گا اور سمجھ نہ آنے پر گمراہی کا خطرہ ہے)۔

شیخ مؤیدالدین الجندیؒ نے اس پر ایک شعراور اضافہ کیا ہے ؎

فالحق قد یظھر فی صورتہ — و ینکر الجاھل فی ذاتہ

شیخ مؤیدالدین الجندیؒ فرماتے ہیں کہ حق کا ظہور بھی اس کی صورت سے ہوتا ہے، اور جاہل اس کی ذات (اصل) سے ہی انکار کر دیتا ہے۔

پس جو کچھ نفس کے اندر مدرک ہوتا ہے۔ کلیات ہوں یا جزئیات۔ اس کے مطالعہ میں وجود مطلق ایک خاص شان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، اور یہ رستہ تمام رستوں میں اقرب اور اوثق ہے جس سے خطرات بند ہو جاتے ہیں اور شک نہیں کہ اس حالت میں کیفیت غیبیہ اور حالتِ ذوقیہ پیدا ہوتی ہے۔ اور مراتب کیانی (شہنشاہی و الٰہی) ادراک کے احاطہ میں آتے ہیں۔ اور درست بات یہ ہے کہ مطالعہ کی نفی کر دو اور اس غیبی کیفیت کو پکڑ لو اور اپنے نفس کو چھوڑ دو۔ اور اچھی طرح بے ہوشی کے دامن کو سمیٹ لو، کہ غیب سے باہر آنا ناشکرگزاری ہے اس طریق کے محققین کے نزدیک اگرچہ اس سے باہر آنا توجہ و تفکر حقائق اور تدبر دقائق علمی و عملی سے ملا ہوا ہے۔ کیونکہ غیبت و بے خودی۔ وادیٔ حیرت کی ابتدا اور وہ ان مقامات کا آخر ہے۔

(کشکول کلیمی ص ۲۷ و ۲۸)

سالک بچشم دل اپنی حقیقت جو کہ حقیقت جامعہ ہے کی طرف دیکھتا ہے اور اپنی حقیقت کو اپنی چشمِ دل سے مشہود رکھتا ہے، اپنے تمام احوال و افعال میں، اس کے بعد نظر کرتا ہے کہ اس کی حقیقتِ جامعہ تمام موجوداتِ حسنہ و قبیحہ، لطیفہ...
...، وکثیفہ، محسوسہ، وغیر محسوسہ میں جاری و ساری ہے۔ یہاں تک وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ جمیع عوالم اس کے ساتھ قائم ہیں اور یہ سرایت، اس کے تمام موجودات کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے۔ پس جو محسوس و معقول ہے (حس و عقل میں جو چیز آتی ہے) وہ آئینہ ہوتا ہے کہ سالک اس میں اپنی حقیقت جامعہ کو دیکھتا ہے۔ گویا تمام عالم بمنزلہ جسم کے بن جاتا ہے اور سالک بمنزلہ اس جسم کی روح کے، اور مرتبہ کو مرتبہ جمع الجمع (یا شہود خلق قائم بحق) کہتے ہیں۔ جب سالک میں یہ مراقبہ خوب قوت پکڑ لیتا ہے

اور جو کچھ عوالم میں گزرتا ہے سالک اس سے متأثر ہوتا ہے، غم ہو یا خوشی۔ اس لئے کہ جسم پہ اگر راحت یا تکلیف وارد ہو تو روح کا ادراک لازمی ہے (کشکول کلیمی ص ۲۸ و ۲۹)۔

بعض اس (وجود) مطلق کو دریائے نور غیر متناہی سے تعبیر کرتے ہیں اور خود اپنے آپ کو ایک قطرۂ نور جو اس دریائے نور میں مستہلک (نیست ہونے والا) دیکھتے ہیں۔ اور بعض اس کو ظلمت غیر متناہی قرار دیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو اپنا ظل خیال کرتے ہیں جو شب دیجور میں مستہلک تھا اور بعض اس کو اس خلا کے ساتھ جو آسمان وزمین کے درمیان ہے یا ہر چیز کے درمیان ہے تمثیل دیتے ہیں۔ اور یہ محض تمثیل ہے جو معقول و محسوس کے ساتھ کمزور اور ضعیف عقول والے لوگوں کی تفہیم کی خاطر دی گئی ہے۔ ورنہ ذات برحق ان تمام تشبیہات و تمثیلات سے بہت بلند ہے ع

وللناس فیما یعشقون مذاهب

مطلوب اس سے موہوم ہستی کا فنا کرنا ہے جو کہ دیدہ سالک پر وجود مطلق جو کہ حقیقت ہے کہ مشاہدہ سے پردہ ڈالے ہوئے ہے حاصل یہ ہے کہ سالک اپنے نفس ناطقہ میں ایک نسبت دریافت کرتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نسبت کی طرف بانی کسی کے ساتھ مربوط ہے اور سالک اس کو جس میں بھی بند کرتا ہے تو لامحالہ اس کے لئے ایک تعین پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بارگاہِ مطلوب اور دربار مقصود قطعی طور پر اس تعین سے ماورا رہے۔ اور یہ جس مرتبہ میں ٹھہرتا ہے، وہ دربار مطلوب اس سے ماوراء ہے۔ جو کچھ سالک کے حیطۂ تصور میں متعین ہوتا ہے۔ وہ لامحالہ ذہن سالک کے تعین سے ہی متعین ہوتا ہے، اور ہر متعین جو کسی بھی قید و تشخص سے متعین ہو۔ وہ مطلوب نہیں۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مطلق (ذات) کی کنہہ (حقیقت) تک کسی نبی اور ولی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں" (کشکول کلیمی ص ۴۴)

میرزاہدؒ کی تحقیق حضرت مولانا محمد زاهد ہرویؒ استاذ شاہ عبدالرحیمؒ والد امام شاہ ولی اللہؒ وجود کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

تحقیق یہ ہے کہ وجود مصدری معنی سے (مصدری معنی وجود کا ہونا ہے) ایک امر اعتباری ہے جو نفس الامر میں متحقق و ثابت ہے۔ اور وجود بمعنی ما بہ الموجودیہ (جس کے ساتھ ہستی کا قیام ہوتا ہے) خود بنفسہٖ موجود ہے۔ بلکہ واجب لذاتہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے اعتباری ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نفس الامر میں متحقق ہو بایں معنیٰ کہ اس کا موصوف ایسا ہو کہ اس چیز کا انتزاع اس سے ہو سکے۔ یہاں تین چیزیں ہیں۔ ایک منتزع عنہ (جس سے کوئی چیز انتزاع کی جا سکتی ہو) اور یہ ماہیت ہے من حیث ہی کے درجہ میں اور دوسرا منتزع ہے اور وہ وجود ہے معنی مصدری کے اعتبار سے اور تیسرا منشأ انتزاع ہے۔ اور وہ وجود بمعنی ما بہ الموجودیۃ ہے، جو قائم بنفسہٖ ہے۔ اور واجب لذاتہ ہے کیونکہ یہ ماہیت کے ساتھ قائم نہیں، نہ انضمام کے طریقہ پر ورنہ اس کا تاخر موصوف کے وجود سے لازم آئے گا۔ اور نہ اس کا قیام ماہیت کے ساتھ انتزاع کے طریق پر ہے۔ ورنہ وجود بالمعنی المصدری کے انتزاع کے وقت ایک اور انتزاع لازم آئے گا۔ بلکہ انتزاعات کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم ہو جائے گا۔"

اسی طرح حضرت میر زاہدؒ واجب الوجود کے علم کی بحث میں فرماتے ہیں کہ خوب جان لو واجب تعالےٰ کے لئے ایک علم اجمالی ہے اور ایک علم تفصیلی۔

علم اجمالی علم تفصیلی کا مبدأ ہے۔ اور یہ صفت کمال ہے، اور عین الذات ہے اور اس کی تحقیق جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی سمجھ عطا فرمائی ہے یہ ہے کہ ممکن کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت وجود اور فعلیت ہے۔ اور دوسری جہت عدم اور لافعلیت ہے۔ ممکن دوسری جہت کے اعتبار سے اس کے قابل نہیں کہ علم کا اس کے ساتھ تعلق ہو۔ کیونکہ اس جہت سے تو وہ معدوم محض ہے۔ ور جس جہت کے اعتبار سے اس کے ساتھ علم کا تعلق ہے وہ پہلی جہت ہے۔ اور یہ ہت بھی اسی کی طرف راجع ہے۔ اس لئے کہ ممکن کا وجود بعینہٖ وجود واجب ہے جیسا کہ محققین اس طرف گئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا علم ممکنات کے ساتھ مشتمل اس کے لم کے ساتھ جو اپنی ذات کے ساتھ ہے اس طرح کہ اس سے کوئی چیز بھی غائب نہیں،

اور اس کے فہم پر اوصاف انتزاعیہ کی حالت جو اُن کے موصوفات کے ساتھ ہو۔ اس سے امداد حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان اوصاف انتزاعیہ کے لئے ایک قسم کا ہوتا ہے۔ جو خارجی وجود کے قائم مقام ہوتا ہے آثار کے ترتب میں۔ اور یہ منشأ آ بھی ہوتا ہے اور اسی کے باعث ان کے درمیان اور ان کے موصوفات کے درمیا امتیاز کی لکیر کھینچی جا سکتی ہے۔ اور علم تفصیلی تو وہ علم حضوری ہے موجوداتِ خار اور صور ذہنیہ علویہ اور سفلیہ کے ساتھ"۔ (حیات ولی ص۲۱۳ بحوالہ تعلیقات جد

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں؟ عبدالقادر جونپوری کے مکتوب کے جواب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں "آپ کا مکتوب شریف ملا جو بلند مقصد پر دلالت کرتا اس میں ایک ایسے مسئلے سے تعرض کیا گیا ہے جس میں افکار حیران ہیں، اور نظریں تک پہنچنے سے ہچکچاتی ہیں۔ میرے لئے کیسے ممکن ہے کہ ایک ورق میں اس کا جوا لکھ دوں۔ یا ایک کلمہ میں اس کا حل پیش کر دوں، اچھا میں ایک نکتہ ذکر کرتا ہوں آپ کی تقریر میں جو تیسرا معنیٰ توحید کا ذکر کیا گیا ہے کہ "ممکنات کی ذوات بتمامہا ا مجعولات کے ذرات سب چھوٹے بڑے فنا ہیں اپنے جواہر کے اشباح میں اور بے حقیقت ہیں اپنی ذات میں۔ پس اگر واجب کا فیض نہ ہو تو یہاں نہ کوئی ذات ہو اور نہ وہ سمجھ میں آئے۔

ان ماہیات و ذوات کا تقرر اور صدور اور ان پر حکم لگانے کی صلاحیت صرف اس ذاتِ عالی کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے۔ جس کے فیض کا سایہ بہت ہوا اور دراز ہے"۔ یہ جو آپ نے کہا ہے یہ بعینہٖ وحدۃ الوجود ہے۔ محققین کے نزدیک جو اہلِ معرفت اور اہل شہود ہیں، لیکن ان کی زبانیں اور طرز بیان اس بارہ مختلف ہیں۔ بعض نے مجاز اور مسامحت کی زبان میں گفتگو کی ہے، اور بعض نے تحقیق طور پر حقیقت کو کھول کر بیان کرنے کا طریق اختیار کیا ہے ؎

عباراتنا شتّٰی وحسنک واحد   وکل الی ذاک الجمال یشیر

پس یہ فیض بالذات وحدانی ہے اور باعتبار قوابل کے متکثر ہے۔ اس فیض کو فیض اقدس سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ماہیات کے صدور کی جہت سے اور اس کو فیض مقدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فعلیات اور لوازم وجود خارجی کی صدور کی جہت سے باقی ان کا یہ کہنا کہ وہی وجود مطلق ہے۔ تو اس مطلق سے ان کی مراد امر انتزاعی نہیں ہوا کرتا، جو افراد سے انتزاع کیا جاتا ہے جیسا کہ متکلم کلیات میں اس کی تقریر کرتا ہے اور نہ اس سے مراد موجود فی ضمن الافراد ہوتا ہے جو بالاستقلال موجود نہیں ہوتا جیسا کہ حکیم کا زعم ہے بلکہ اس سے مراد ایک ایسا امر ہے جو فی نفسہ متحقق ہے اور متعین بذاتہ ہے جس کی طرف تمام ممکنات کی نسبت یکساں ہے" (مکتوب شاہ ولی اللہ رح مندرجہ حیات ولی صفحہ ۵۴)۔

اعیان ثابتہ

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح فرماتے ہیں "کشف کی بصیرت فیصلہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے نقائض ہیں، جو علم کے مرتبہ میں بالکل متمائیز ہیں، یعنی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پس علم کی نقیض جہل ہے اور قدرت کی نقیض عجز ہے اور بصر کی نقیض عمیٰ (نابینائی اور اندھا پن) ہے اور اسی طرح یہ نقائض اعدام اصلیہ ہیں۔ (یعنی اپنے اصل مرتبہ میں معدوم ہیں) اور علم کے مرتبہ میں مستقر یعنی ثابت ہیں، لیکن اپنے نقائض کی طرف اضافت سے، یعنی جب ان کو ان کے نقائض کی طرف مضاف کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صنع اور کمال قدرت سے یہ اعدام اس مرتبہ میں اپنے نقائض کے رنگ سے رنگین ہو جاتے ہیں، اور وہ نقائض صفات کمال ہیں۔ اور جب یہ مرتبہ علم میں آپس میں باہم مخلوط ہوتے ہیں تو ان کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ اور ان کا اس مرتبہ میں وجود کے رنگ سے رنگین ہونا یہی کون اول ہے۔ اور سبب ہے خارج میں موجود ہونے کا۔ پس اعیان ثابتہ ظلال ہیں صفات کے، اور ممکنات ظلال ہیں خارج ظلی میں ان اعیان ثابتہ کے۔ اور ممکنات کے ظلال ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وجود اور اس کے توابع کا فیضان اور افاضہ مبدء فیاض سے ممکنات پر جو موجود فی الخارج ہیں۔ ان اعیان ثابتہ کے توسط کے بغیر

نہیں ہو سکتا، جیسا کہ قندیل کی روشنی اشیاء پر زجاجہ (شیشہ) کے توسط سے ہوتی ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ اعیانِ ثابتہ کا توسط صفات اور ممکنات کے درمیان صرف امر دارِ دُنیا میں ہے۔ رہا آخرت تو وہاں وجود اور اس کے توابع کا افاضہ صفات سے اعیانِ ثابتہ کے توسط سے ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ممکنات پر فنا کا طاری ہونا دنیا ہے آخرت میں نہیں" (تفسیر مظہری ص۱۹ جلد ۱۰)۔

شیخ ابوالرضاء کی تحقیق (حضرت امام ولی اللہؒ کے عم بزرگوار حضرت شیخ ابوالرضاء صاحب جو حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے استاد بھی ہیں) فرماتے ہیں کہ "وجودِ عالم مستلزم ہے عدمِ واجب کو، کیونکہ بر تقدیرِ وجودِ عالم، واجب یا تو خارج از عالم ہوگا تو محدود ہوگا، اور محدود واجب نہیں ہو سکتا یا داخل عالم ہوگا۔ پس حلول لازم آیا۔ حالانکہ حق تعالیٰ حلول سے منزہ ہے اور اس طرح عدمِ ممکنات من جمیع الوجوہ بھی ضروری البطلان ہے لہٰذا یہ بات متعین ہوگئی کہ عالم عبارت ہے۔ حقیقتِ وجود کے تعینات اعتباریہ سے یا بالفاظِ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ عالم بذات خود معدوم ہے اور موجود بالغیر ہے۔ اور وہ غیر اس کا قیوم ہے" (انفاس العارفین ص۱۰۱)۔

اسی طرح شیخ ابوالرضاءؒ نے فرمایا کہ "ایک مرتبہ علماء اور عرفاء کی ایک بڑی مجلس میں میں نے مسئلہ وحدۃ الوجود ثابت کیا اور متکلمین کی عبارات سے تمسک کر عقلی و نقلی دلائل پیش کئے لیکن لفظ وحدۃ الوجود کا ذکر نہ کیا، سب نے اس کو قبول کیا۔ دیکھو اہل رسوم کا تعصب الفاظ سے کس طرح زیادہ ہوتا ہے" (انفاس ص۱۰۲)۔

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ یوں فرمایا کہ "وجودِ عالم وہم کے مرتبہ میں ہے اور حق تعالیٰ وجودِ خالص ہے۔ ایک عارف نے کہا ہے کہ وجود کل میں ساری ہے اور تعینات امورِ اعتباریہ میں سے ہیں۔ پس عالم، حق تعالیٰ سے ابعد ترین اشیاء میں سے ہے، کیونکہ موجودِ حقیقی اور موہوم میں باہم تضاد ہے۔ اور ان کے درمیان جامع نہیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سراب دریا سے بعید ترین اشیاء میں سے ہے" (انفاس العارفین ص۱۰۲)۔

شاہ رفیع الدینؒ کی تحقیق

رسالہ شرح رباعیات میں شاہ رفیع الدینؒ نے ایک رباعی درج کی ہے ـــ

دریاد تو حالتے عجیب داشتہ ام — در عشق تو تخم نادرے کاشتہ ام
نہ خود تو ام ونہ جز تو چیزے دگرم — حیرت زدہ ام چہ وہم پنداشتہ ام

تیری یاد میں میری عجیب حالت ہے، اور تیرے عشق میں میں نے عجیب نادر تخم بویا ہے۔ میں نہ تو خود تیری ذات میں ہوں اور نہ تیرے سوا کوئی اور چیز، میں بڑا حیران ہوں کہ میں نے کیا وہم اپنے لئے پیدا کر لیا ہے۔

شاہ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وجود مطلق حقیقی کے لئے ایک ذات مستقل ثابت ہے اور وہ مجرد ہے قیود سے، اور مغائر ہے مقید سے باعتبار ذات کے اور نیز باعتبار ظرف حصول کے اس طرح کہ مقیدات کی ذوات کے لئے اُس موطن میں وقوع اور اس ذات کے ساتھ اتحاد متصور نہیں ہو سکتا اور اس بارگاہِ جلال میں ان خاکروبانِ خسیس کا نام و نشان بھی نہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔ کان اللہ ولم یکن معہ شیٔ وھو الآن علیٰ ما علیہ کان۔ "اللہ کی ذات تھی اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں تھی اور اب بھی اس کی ذات اس طرح ہے جیسے کہ پہلے تھی۔"

اور مقید کے لئے بجز ذات موہوم کے جس کی کنہ (حقیقت) وہی ذات مطلق ہے، مع قیود عدمیہ کے اپنے مواطن ظلیہ میں اس کے علاوہ کوئی جوہر اور ذات نہیں ہے۔ پس مطلق کے لئے باعتبار ذات کے غیریت ثابت ہے۔

اور نیز مراتب ظہور میں اتحاد بھی حاصل ہے اور مقید کے لئے بھی ایک امر ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہی اس کے لئے مطلق سے مغایرت اور استقلال کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ ورنہ دارِ وجود میں اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس مسئلہ کو جاننے اور سمجھنے کے سلسلہ میں تباہی اور خرابی کا منشا یہ ہوتا ہے کہ عدمی قیود کو اس حیثیت سے کہ وہ عدمی ہیں ذات مقید میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ذات مقید تو کوئی جدا نہیں اس ذات مطلق سے اور

ذات مطلق کا بلند و برتر ہونا ثبوت کی تقیید سے اور اطلاقِ حقیقی کی حیثیت سے کا اس سے انتقار کرنا بھی مسلم، اور اس معنی کی حقیقت پر آگاہ ہونا "کمال یا دد ہے اور اس کمون کے حصول کا موجب لفظ محبت ذاتیہ ہے۔ اس ذات کی حقـ کے آثار کے لحاظ سے۔

اسی طرح شاہ رفیع الدینؒ رسالہ تحقیق آذان میں فرماتے ہیں "اللہ اکبر، اپنی ذات میں بلند ہے اس حیثیت سے کہ طبقات وجود میں سب سے اعلیٰ واکمل میں ہے۔ اللہ اکبر، یعنی اس کے ظہور کا احاطہ ناممکن ہے اس کے کمالات کے ہر اعتبار سے ظاہر ہیں خواہ معقولہ ہوں یا مشہودہ، اور اس کا خلاصہ معرفت ہے حجابات کے منتفی ہونے کی اور کثرت کی ظلمات کے محو کرنے کی ذات قدیم سے کے انکشاف کی راہ سے لا الہ الا اللہ، یعنی مواطن خارج میں حقیقۃً کوئی چیز نہیں۔ اور نہ بالاصالۃ جمیع کمالات کے ساتھ ظاہر ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے جو مح تمام مراتب اور تمام کمالات کا۔"

لمحات (عربی)

شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ تصوف کی یہ بنیادی کتاب عرصے سے نایاب تھی۔ مولانا غ قاسمی کو اس کا ایک پرانا قلمی نسخہ ملا۔ موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی، اور شا کی دوسری کتابوں کی عبارات سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور وضاحت طلب اُمور پر تشریحی لکھے۔ کتاب کے شروع میں مولانا کا ایک مبسوط مقدمہ ہے۔

قیمت ۲/- دو روپے

مشرقی پاکستان کے صوفیائے کرام

حضرت سید نصیر الدینؒ اور ان کی اولاد

وفا راشدی ایم اے

۱۳۰۳ء[1] میں حضرت شاہ جلال یمنی سلہٹی المجردؒ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی غرض سے سرزمین بنگال میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ چھ سو بزرگانِ دین تھے، جو آپ کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو اللہ کے احکامات اور رسولؐ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے مختلف جماعتوں میں تقسیم کر کے متعدد علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ یہ جماعتیں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، دورہ کرتیں اور دینِ حق کا چراغ روشن کرتیں۔ ان جماعتوں میں ایک جماعت بارہ اولیائے کرام پر مشتمل تھی، جس کے 'امیر' حضرت سید نصیر الدینؒ تھے۔ اراکین جماعت حسب ذیل حضرات تھے:

(۱) شاہ عارفین (۲) شاہ بدر (۳) شاہ علی امین (۴) شاہ غازی، (۵) شاہ شہید (۶) شاہ محمود (۷) شاہ سلطان (۸) تاج الدین قریشی (۹) رکن الدین انصاری (۱۰) سید احمد گیسو دراز (۱۱) حاجی خلیل۔

بارہ صوفیائے کرام کی اس جماعت نے جس علاقے کو تجلیاتِ الٰہی اور انوارِ محمدیؐ سے روشن کیا وہ علاقہ 'بارہ اولیاء کا دیس' کے نام سے موسوم ہوا۔

امیرِ جماعت حضرت سید نصیر الدین صرف صوفی منش ہی نہ تھے بلکہ فنِ سپہ گری سے بھی واقف تھے۔ فدایانِ حق کو ہمیشہ پرستارانِ باطل کا قلع قمع کرنے کے لئے وقت

---

[1] کئی مورخوں نے بنگال میں حضرت شاہ جلال کی آمد کے سال میں اختلاف ظاہر کیا ہے۔ لیکن تحقیق کی روشنی میں ۱۳۰۳ء کا سال زیادہ صادق ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، 'سنہرا دیس' از وفا راشدی۔ مطبوعہ ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان۔ کراچی

ضرورت شمشیر کے جوہر بھی دکھانے پڑتے ہیں۔ حضرت سید نصیرالدینؒ کی حیثیت ایک سپہ سالار سے کم نہ تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی"۔

جب اشاعتِ اسلام کی راہ میں راجہ اچک نرائن حائل ہوا تو حضرت نصیرالدینؒ کو بھی شمشیر کا جواب شمشیر سے دینا پڑا۔ آپ کے گیارہ ساتھیوں 'راجہ اچک نرائن' کا دلیرانہ دار مقابلہ کیا اور اسے شکستِ فاش دی۔ راجہ نے اسلام قبول کیا۔ اس کے ساتھیوں میں کچھ کام آگئے اور کچھ فرار ہو گئے۔

چشتیہ، نقشبندیہ، اور سہروردیہ سلسلوں کی طرح ایک اور طریقہ بنگال میں رائج ہوا جو "طریقۂ طرف[1]" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حضرت سید نصیرالدینؒ نے بنگال میں "طریقۂ طرف" کی بنیاد ڈالی۔ اور یہ طریقہ آپ کی اولاد اور خوشہ چینوں میں پشت در پشت چلتا رہا۔ حضرت سید نصیرالدین کی اولاد میں کئی نامور بزرگ گزرے ہیں۔ اس کی ایک جھلک اس شجرے[2] میں دیکھی جاسکتی ہے۔

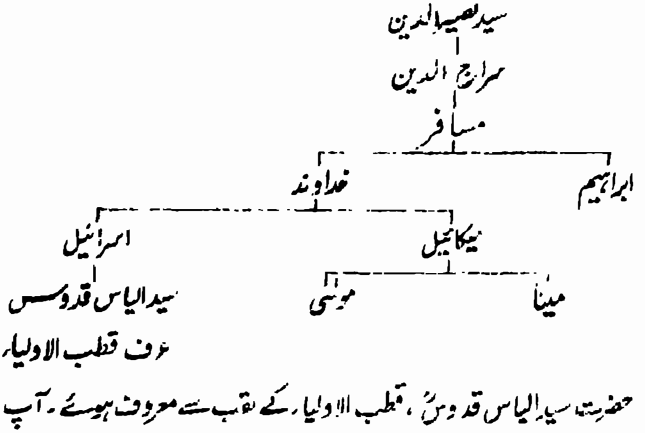

حضرت سید الیاس قدوسؒ، قطب الاولیاء کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت اسرائیلؒ اپنے وقت کے ایک بلند پایہ عالم تھے۔ انہیں علم و فضل خدمات کے سلسلے میں "ملک العلماءؒ" کا خطاب تفویض ہوا تھا۔ انھوں نے ۱۵۳۴ء مطابق

۱؎ طرف ایرا ای تی ہاس (بنگلہ نسخہ) سید عبدالاکبر۔ ۲؎ ماہِ نو (بنگلہ)۔